© rasailojaraid.com

ادبیات

کائنات

(ایک تبصرہ)

از

(جناب فضا ابن فیضی)

روش روش پہ خموشی تھی، جوئبار خموش
نسیم و نزہت و نکہت کے آبشار خموش

غمِ سکوت میں ڈوبا تھا لحنِ ساز ابھی
کہ پُر فشاں نہ تھی روحِ نیاز و ناز ابھی

افق سے دور کہیں آفتاب سوتا تھا
اُداس چاند مقدر کو اپنے روتا تھا

نہ ربطِ خاص تھا کچھ برگِ گل کو شبنم سے
یہ زخمِ دل ابھی نا آشنا تھے مرہم سے

کرن سے سینۂ شبنم میں ارتعاش نہ تھا
صدف پہ اپنے گہر کا مقام فاش نہ تھا

تھا جن کا ایک تبسم بہارِ خلدِ بریں
ہنوز وہ گل و لالہ نہاں تھے زیرِ زمیں

نگاہ فیضِ تجلی سے تھی ابھی محروم
کلی کو رازِ شگفتن ابھی نہ تھا معلوم

لہو ہنوز نہ دوڑا تھا نبضِ امکاں میں
کوئی سحر نہ تھی بیدار خاورستاں میں

نہ ایسا فرقِ مراتب دن اور رات میں تھا
بس ایک چاکِ گریباں کائنات میں تھا

فضائے ارض و سما جلوہ آفریں اتنی
یہ کائنات تو پہلے نہ تھی حسیں اتنی

ذرا سی بھی جو ستاروں نے آنکھ جھپکائی
خُمِ اُفق سے نبیذِ سحر چھلک آئی

ہر ایک ڈوبی ہوئی نبض میں لہو آیا
زمیں پہ نیرِ اعظم نے نور برسایا

خود اپنے زخموں کا منہ چومنے لگے مرہم
کرن کی لو سے دھڑکنے لگا دلِ شبنم

یہ آب و گل کے جھلکتے ہوئے صنم خانے
چلی ہے موجِ ہوا نکہتوں کو بہلانے

چمن میں قافلۂ سبزہ و نسیم آئے
فروغِ نور سے نابود ہو گئے سائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرور و کیفیت و رنگ و بو کے مے خانے   چھلک پڑے ہیں دماغ و نظر کے پیمانے
ارم طراز ہے دشت و جبل کی ویرانی   نوا فروش ہے خاموشیوں کی طغیانی
ضمیر کوکب و مہتاب تیرہ ناک نہیں   کہ آب و گل کے گریباں میں کوئی چاک نہیں

انسانِ عہدِ قدیم میں

وہ روحِ حکمت و رنگِ جمالِ یکتائی   حریمِ قدس میں جس کی ہوئی پذیرائی
گمان اس کی جلو میں یقین تک آئے   کہ جبرئیلِ امیں بھی زمین تک آئے
اسی کی فکر سے ٹوٹا فسونِ تیرہ شبی   بجھا اسی کے نفس سے چراغِ بو لہبی
رہی متاعِ امانت جو سر سبد اس کی   تپ جنوں سے لہکتی رہی خرد اس کی
فرشتہ صید رہا یہ بغیرِ ناوک و تیر   ہیں اس کے زلہ ربا جبرئیلِ پاک ضمیر
کہاں یہ اور کہاں شیوۂ زبونِ حیات   اسی نے عام کیا سوزِ اندرونِ حیات
خرد یہ رازِ دو عالم ہے آشکار اس سے   جنوں ہے جوشِ تپیدن سے ہم کنار اس سے
یقین و علم سے عقبا کو روشناس کیا   ترے وجود سے دنیا کو روشناس کیا
ہر اک نظر تھی گہر سنج و کامراں اس کی   بہار چہرے پہ ملتی رہی خزاں اس کی

انسانِ عہدِ حاضر میں

سحر گذر گئی خود روشنی کو ٹھکرا کر   پلی ہے رات مہ و کہکشاں کا غم کھا کر
سیاہ راتوں سے سورج ہیں مطمئن کتنے   سیاہیوں کی طرف مڑ گئے ہیں دن کتنے
خود آگہی و خودی کے ایاغ ٹوٹ گئے   ہوائے تند سے لڑ کر چراغ ٹوٹ گئے
غریقِ زہر ہلاہل ہوئے سفینہ نوش   خضر کے بھیس میں ہیں کس قدر ضمیر فروش
وہ جس کا سینۂ روشن تھا مایہ دارِ علوم   وہی ہے اب نفسِ جبرئیل سے محروم
دلوں کے کنج میں کینے کا سانپ بستا ہے   وہ آدمی ہی ہے جو آدمی کو ڈستا ہے
یہ فکرِ عیش یہ تہذیب و کفر کے ناسور   یہ بے نگاہ کلیم اور یہ خرابۂ طور
زمیں کے دوش پہ فکر و نظر کے یہ تابوت   یہ مقبرہ ہے الٰہی! کہ عالمِ ناسوت

تمام سعیٔ کرم رائگاں ہوئی تیری
متاعِ سود سپردِ زیاں ہوئی تیری

© rasailojaraid.com